اسلامی شریعت اور تنظیم نسل

از

الاستاذ علامه محمود شلتوت شیخ الازهر مد ظله

—o—

پیش لفظ

دعوت الی اللہ کی بے پایاں وسعتوں میں شرکت اور دینی برکات میں بصیرت کی نیت سے جامع ازھر کا شعبۂ امور عامه اس روشن دینی مقاله کو پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہے - اس مقاله میں '' تنظیم نسل '' کے موضوع پر شرعی نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے تاکه عوامی قومی انجمن کے ارکان جو قوم کے جلیل القدر فرزند ہونیکی جہت سے ملک کے لئے پیشقدمی کی راھیں متعین کرنے اور ترقی کی بنیادیں استوار کرنے میں مشغول ھیں اور اصلاحی کارناموں کے ساتھ انسان کی ارتقائی امانت اور حیات افروز پیغام کے حامل ھیں ، اس مقاله سے هدایت اور رهنمائی حاصل کر سکیں - اگر خدا کی شریعت اور اس کا دین ھی ھر اصلاح کے لئے چراغ راہ ھو ، اور وھی تمام لغزشوں اور بے راہ روی کے جمله خطرات سے حفاظت کا ذریعه بنے ، تو یه کتنی اچھی بات ہے !! -

قل هذه سبیلی ادعو الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی (القرآن)

اے پیغمبر اسلام ! آپ کہدیجیئے که میرا راسته تو یه ہے - میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتے ھیں -

اور توفیق خدا ھی کے ھاتھ میں ہے -

شعبۂ امور عامه ،
جامع ازھر

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

تنظیم نسل

عہد قدیم اور جدید ، دونوں ادوار میں یہ مسئلہ موضوع بحث رہ چکا ہے - ماضی میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا اور عہد حاضر میں بھی اختلاف چلا آرہا ہے - اس ضمن میں اس مسئلہ کی مثال بھی ان تمام مسائل کی طرح ہے جنہیں مختلف قسم کی تعبیرات سے سابقہ رہا ہو - اور کوئی ایسی واضح نص موجود نہ جو فیصلہ کن انداز میں حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ دے - چنانچہ کبھی تو فیصلہ ایک محقق کی اپنی رائے پر منحصر ہوجاتا ہے کہ وہ مختلف تعبیرات میں سے جسے چاہے قابل ترجیح سمجھکر اختیار کرلے اور کبھی طالب حق کی اپنی مصلحت پر ، خواہ وہ فرد ہو یا جماعت ، کہ اپنی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ کسی ایسی تعبیر کو اختیار کرلے جو اس کی اپنی مصلحت سے ہم آہنگ ہو -

تشریع احکام کے سلسلے میں اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جن امور میں مرور زمانہ ، ماحول ، اور مختلف اعتبارات کی تبدیلی سے مصالح میں کوئی تبدیلی پیش نہیں آتی ان کے بارہ میں وہ نص قطعی کے ساتھ دو ٹوک فیصلہ کر دیتا ہے اور اجتہاد یا بحث و نظر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑ تا - رہ گئے وہ مسائل جن میں مصالح ، حالات کے تابع ہوتے ہیں -ان کا فیصلہ وہ ارباب فکر و نظر اور مجتہدین کی آراء یا مصالح کے پیمانوں پر چھوڑ دیتا ہے قران کریم کا ارشاد ہے -

ولو ردوُہ الی اللہ والی اُولي الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (القرآن)

[اگر یہ لوگ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچا دیتے تر وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتا جو اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں -]

میں نے اس مسئلے کو اپنی گذشتہ تحریرات میں " عزل " کے عنوان سے پیش کیا تھا اور حالیہ مقالات میں اسے " تحدید نسل " کے عنوان سے لکھا تھا اور اب اسی مسئلہ کو " تنظیم نسل " کے عنوان سے پیش کر رہا ہوں -

در اصل یہ تمام عنوانات ایک ہی سوال کے جواب ہیں اور وہ یہ کہ ضبط تولید محض خاص قسم کے حالات میں جائز ہے یا عام حالات میں بھی اس کی اجازت ہوسکتی ہے ؟

عزل چونکہ ہر دور میں ہر قسم کے لوگوں کے لئے ضبط تولید کا معروف اور آسان طریقہ رہا ہے اس لئے میں نے بھی اپنے گذشتہ ابتدائی مقالات کی بنیاد اسی پر رکھی تھی۔ تاکہ بات اسی سادگی سے پیش کی جاسکے جس سے پرانے لوگ مانوس تھے لیکن جب تمدن کی وسعتیں بڑھیں اور عزل کے سوا ضبط تولید کی دوسری تدابیر بھی لوگوں کو نہ صرف معلوم ہوگئیں بلکہ ان میں عام ہوگئیں تو مجھے بھی اس موضوع کو کبھی تحدید کے عنوان سے اور کبھی تنظیم کے عنوان سے پیش کرنا پڑا۔ تاکہ تمام ممکنہ وسائل کا احاطہ ہوجائے جو منع حمل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں خواہ وہ عزل ہی ہو یا عزل کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ہو -

" تحدید نسل " سے عام طور پر یہی مراد ہوتی ہے کہ کسی قوم کی بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک مقررہ حد پر روک دیا جائے - مگر یہ ایسی بات ہے جسے کوئی قوم بھی جو زندہ رہنا چاہتی ہو پسند نہیں کرسکتی - خصوصیت کے ساتھ آج کے دور میں جبکہ مختلف اقوام کے درمیان قوت و کثرت کا مقابلہ اور منافست جاری ہے - لہذا ضروری معلوم ہوا کہ " تحدید نسل " سے ایسے معنے مراد لئے جائیں جو " تنظیم نسل " کے معنے سے ہم آہنگ ہوں اور جس میں نہ کثرت اولاد سے انکار ہو ، اور نہ ہی کسی خاص حد پر پہنچکر آبادی کو روکا جائے -

اولاد کا حقدار کون ہے ؟

منجملہ ان بنیادی امور کے جن کا جاننا زیر بحث مسئلہ میں ہمارے لئے مفید ہوگا ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ پہلے ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ " اولاد کا حقدار کون ہوتا ہے "؟ کیا تنہا والد، یا ماں باپ دونوں، یا وہ والدین اور ملت کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے ؟

اگرچہ فقہاء کرام سے اس ضمن میں کوئی فیصلہ صراحۃ" منقول نہیں ہے۔ تاہم ان کے دلائل و آراء پر غور کرنے سے ایسا نظر آتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کو بالکلیہ نظر انداز بھی نہیں کیا - بلکہ ان کے سامنے یہ موضوع بھی رہا ہے . گو اسکی حیثیت ایک دھندلے سے تصور سے زیادہ نہیں ہے - البتہ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ پر کہ "تنظیم نسل" کی شرعاً کہاں تک گنجائش ہے، اسی تعلق سے بحث فرمائی ہے کہ " شرعاً اولاد کا حقدار کون ہے "؟ ہم بھی اسی بنیاد پر ان کے مختلف اقوال کو پیش کرینگے۔

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اولاد کا حقدار صرف باپ ہوتا ہے ۔ لہذا اسکو اختیار ہے - چاہے اولاد کو پیدا کرے یا نہ کرے - امام غزالی متوفی سنہ ۵۰۵ھ اسی نظریہ کے مؤید ہیں - دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ اولاد کے حقدار، ماں اور باپ دونوں ہوتے ہیں - دونوں کا برابر کا حق ہے - اس رائے کے ماننے والے علمائے حنفیہ ہیں - ایک تیسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اولاد امت اور والدین تینوں کا مشترک سرمایہ ہے - لیکن والدین کا حق زیادہ قوی ہے شوافع، حنابلہ اور دیگر مذاہب کے اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے - ایک چوتھی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ اولاد اگرچہ والدین اور امت کا مشترکہ سرمایہ ہوتی ہے لیکن امت کا حق بہ نسبت والدین کے زیادہ قوی ہوتا ہے - علمائے اہل حدیث میں سے ایک جماعت کا یہی خیال ہے -

رائے اول

امام غزالی کی رائے یہ ہے کہ ” ضبط تولید “ مباح ہےاور اس میں کوئی کراہت نہیں - وہ فرماتے ہیں کہ کسی امر کی ممانعت یا تو کسی نص کی بناء پر ہوسکتی ہے یا کسی ایسے قیاس کی بنیاد پر جس کی شرعاً کوئی اصل موجود ہو - مسئلہ زیر بحث میں نہ تو کوئی نص موجود ہے اور نہ ہی کوئی ایسی شرعی اصل موجود ہےجس پر قیاس کیا جاسکے - البتہ ہمارے پاس اباحت کے بارے میں ایک ایسی بنیاد موجود ہے جس پر قیاس کیا جا سکتا ہے - اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا بالکل شادی نہ کرنا - یا شادی کرلینے کے بعد جنسی اختلاط نہ کرنا - یا اختلاط بھی کرنا مگر تخم حیات کو اندر نہ پہنچنے دینا - ان میں سے ہر بات شرعاً مباح ہے اور ہر بات کی اجازت ہے - صرف اتنی سی بات ہے کہ یہ ساری صورتیں ایک افضل اور بہتر صورت کے خلاف یعنی ترک اولیٰ پر مبنی ہیں - لہذا ضبط تولید وغیرہ کی بھی اس طرح اجازت ہونی چاہئیے جس طرح ترک ازدواج اور ترک مباشرت کی اجازت ہے -

ضبط ولادت کے بارےمیں امام غزالی کی یہی رائے ہے-ہم یہاں ان محرکات سے بحث کرنا نہیں چاہتے جن کی بنیاد پر انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا ہے تاکہ ہم ان محرکات پر غور کریں جن کے پیش نظر انہوں نے یہ رائے کی ہے اتنی بات تو صاف ہوجاتی ہے کہ امام غزالی کے نزدیک ایسے محرکات جو نہ ممنوع ہوں اور نہ مکروہ، وہ اباحت کے اصل حکم پر اثر انداز نہیں ہوسکتے مثال کے طور پر انہوں نے فرمایا ہے کہ ضبط تولید کا محرک جذبہ عورت کے حسن و جمال اور تروتازگی کا تحفظ یا کثرت اولاد کی وجہ سے تنگی اور تکلیف کا خوف بھی ہو سکتا ہے - ظاہر ہے کہ یہ جذبات یا محرکات نہ شرعاً ممنوع ہیں نہ مکروہ -

البتہ ایسے محرکات جو بذات خود ممنوع یا مکروہ ہوں تو ان اغراض کی وجہ سے ضبط تولید بھی مکروہ ہوجائے گا - اس کی مثال انہوں نے یہ فرمائی ہے کہ مثلاً لڑکیوں کی پیدائش کا اندیشہ ہونا جیساکہ عربوں میں دستور تھا

واذا بشر احد ھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم - یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ - ایمسکہ علی ھون امریدسہ فی التراب الاساء ما یحکمون . (القرآن)

(جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری دی جاتی ھے تو اس کا چہرہ غم سے سیاہ پڑ جاتا ھے اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ھے - لوگوں سے چھپتا پھرتا ھے کہ اس بری خبر کے بعد وہ کس طرح کسی کو منھ دکھائے - سوچتاھے کہ اس ساری ذلت و رسوائی کے باوجود اس بیٹی کو رھنے دے یااسے مٹی میں دبا دے۔کتنا برا فیصلہ ھے جو یہ لوگ کرتے ھیں)

امام غزالی کی رائے کا خلاصہ یہ ھے کہ '' ضبط تولید بذات خود مباح ھے قطع نظر ان اغراض و محرکات کے جو کسی شخص کو ضبط تولید پر آمادہ کرتے ھیں چنانچہ اگر وہ محرکات مکروہ ھوں تو ضبط تولید کا عمل بھی مکروہ ھوجائے گا - ورنہ نہیں -

امام غزالی کی اس رائے پر مندرجہ ذیل اعتراضات ھوسکتے ھیں ۔

(۱) اول یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ھے کہ جو شخص اولاد کی پرورش کے ڈرسے نکاح نہ کرے وہ ھم میں سے نہیں ھے '' -

(۲) دوم یہ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارہ میں جب دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا - ''یہ بھی خفیہ طور پر بچوں کو زندہ درگور کر دینا ھی ھے '' -

(۳) سوم یہ کہ ابن عباس رض کا قول ھے کہ ''عزل ، چھوٹے پیمانہ'' پر بچہ کو زندہ دفن کر دینے ھی کی ایک صورت ھے '' -

امام غزالی نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی بھی کوشش فرمائی ھے - وہ فرماتے ھیں کہ پہلے اعتراض میں جو حدیث پیش کی گئی ھے - اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''ایسا آدمی ھم میں سے نہیں

ہے ''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ اور ہماری سنت سے مراد ، انتہائی کامل سنت ہے ۔ یعنی اس شخص نے ایک ایسی سنت کی مخالفت کی ہے جو انتہائی درجہ کی کامل اور مثالی سنت تھی اس سے کراہت اور مخالفت لازم نہیں آتی ۔

دوسرے اعتراض میں جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ اباحت کی حدیثوں کے مقابلہ میں قوی نہیں ہے ۔ حضرت جابر رض سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ و سلم کی زندگی میں عزل کیا کرتے تھے حالانکہ اس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا ۔

رہ گیا ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ ''عزل کرنا ، چھوٹے پیمانہ پر بچہ کو زندہ دفن کرنے ہی کی ایک صورت ہے ''۔ تو یہ محض ان کا اپنا قیاس ہے ۔ انہوں نے ضبط تولید کو اولاد کشی پر قیاس کر لیا ہے ۔ مگر یہ قیاس ضعیف ہے ۔ حضرت علی رض نے ابن عباس رض کے اس قیاس پر نکیر فرمائی تھی اور فرمایا تھا ۔ کہ بچہ کو زندہ دفن کرنا سات حالتوں کے بعد ہو سکتا ہے ۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی تھی ۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ، ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً ، فکسونا العظام لحما ، ثم انشأناہ خلقاً اخر ، فتبارك اللہ احسن الخالقین ۔ (القرآن)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ہے ۔ پھر ہم نے اسے ایک مستحکم قرار گاہ میں نطفہ کی صورت میں بنایا ۔ پھر اس نطفہ کو لوتھڑے کی شکل عطا کی ، پھر اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی کی صورت بخشی ، پھر ہم نے اس گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیوں کی صورت دی ۔ اس کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ۔ اس کے بعد ہم نے اسے ایک دوسری ہی تخلیق سے نوازا ۔ کتنا پاک اور بابرکت ہے وہ خدا جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے ۔

2/180

رائے دوم

فقہائے حنفیہ کا خیال ہے کہ اگر بیوی بھی اجازت دیدے تو اس شرط کے ساتھ ضبط ولادت مباح ہے - کیونکہ اولاد میں ماں اور باپ دونوں برابر کے حقدار ہیں - صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرنا چاہیئے - کیونکہ حصول اولاد ، بیوی کے حقوق میں شامل ہے - علمائے حنفیہ میں سے کمال ابن الہمام وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں - حنفیہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل مسلک یہی ہے - لیکن متاخرین نے اپنے زمانے میں اس بات کے جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر ضبط تولید کر سکتا ہے - لیکن یہ فتویٰ اس صورت میں ہے جبکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے نالائق اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو - ان حضرات کا یہ فتویٰ اس اصول پر مبنی ہے کہ زمانہ کی تبدیلی سے بہت سے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں -

رائے سوم

جمہور علماء اور فقہاء کا خیال ہے کہ چونکہ اولاد میں ملت بھی حقدار ہوتی ہے اس لئے ضبط ولادت مکروہ ہے - چنانچہ ان کا ارشاد ہے کہ اس کی کراہت حضرت عمر رض ، حضرت علی رض اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ ضبط ولادت کرنا دراصل نسل انسانی کو کم کرنا ہے - حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے افزائش نسل کی خاطر شادی کرنے کی ترغیب دی ہے - چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ " باہمی نکاح کرو - نسل میں اضافہ کرو - اس سے تمہاری تعداد میں بھی اضافہ ہوگا " - آپ کا ایک دوسرا ارشاد یہ بھی ہے کہ " سیاہ فام مگر زیادہ بچے جننے والی عورت ، خوبصورت ، بانجھ عورت سے بہتر ہے " - ضبط ولادت کے سلسلے میں جمہور علماء اور فقہاء کی یہ رائے اس لئے ہے کہ ان کے خیال میں اولاد میں ملت کا حق بھی ہوتا ہے - جہاں تک اولاد میں زوجین کے حق کا تعلق ہے تو ، اس جہت سے ان کا فتویٰ یہ

ہے کہ اگر شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر عزل کر لے تو ضبط ولادت حرام ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی جمہور کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ شدید شرعی ضرورت لاحق ہو تو پھر ضبط ولادت بلا کراہت کے جائز ہے - اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ مثلاً میاں بیوی ، دونوں جہاد میں مصروف ہوں اور اس امر کا اندیشہ ہو کہ استقرار حمل ، بیوی کے لئے کمزوری اور سفر و جہاد میں مشقت کا باعث ہو گا - یا یہ اندیشہ ہو کہ اگر دارالحرب میں ان کے کوئی بچہ پیدا ہو جائے جہاں اس کی پرورش اور صحت و تندرستی قائم رکھنے کیلئے اطمینان بخش وسائل موجود نہ ہوں - تو یہ بات ان کیلئے پریشانی کا باعث ہوگی -

اس نظریہ کے ماننے والوں میں ' کہ ضبط تولید ہر حال میں مکروہ ہے ، موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ بھی شامل ہیں - اس گروہ میں امام نووی رح شافعی متوفی ۶۷۶ھ بھی ہیں - شرح مسلم میں امام نووی کی عبارت اس طرح ہے -

ہمارے نزدیک عزل ہر حال میں اور ہر عورت کے ساتھ مکروہ ہے ' خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسل کو ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے - اسی لئے اس کو حدیث میں وأد خفی (پوشیدہ طور پر زندہ درگور کر دینا) کہا گیا ہے - یعنی عزل بچہ کو زندہ دفن کر دینے کے مرادف ہے - کیونکہ اس سے پیدائش کی راہ مسدود ہوجاتی ہے - یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بچہ کو زندہ دفن کر کے مار دیا جائے - "

امام نووی نے بڑی شدت کے ساتھ امام غزالی کے ان اعتراضات کی بھی تردید فرمائی ہے جو انہوں نے ابن عباس رضہ کے اس قول پر فرمائے تھے کہ "عزل کرنا گویا چھوٹے پیمانہ پر اولاد کو زندہ دفن کر دینا ہے " امام غزالی نے فرمایا تھا کہ اس جگہ حقیقتہ زندہ دفن کردینا مراد نہیں بلکہ محض تشبیہ اور استعارہ مراد ہے -

رائے چہارم

ایک فریق جس میں ابن حبان رح(۱) اور ابن حزم رح(۲) بھی شامل ھیں ضبط ولادت کو مطلقاً حرام سمجھتا ھے۔ ان کا خیال ھے کہ اولاد میں امت کا حق غالب ھوتا ھے ۔ والدین کا حق اتنا وزنی نہیں ھوتا کہ وہ ملت کے مفاد کو نظرانداز کرکے اپنی مرضی سے ضبط تولید کرسکیں ۔ ان کی دلیل یہ ھے کہ عزل کرنے سے نسل منقطع ھو جاتی ھے جو ملت کا نقصان ھے ۔ حالانکہ شرعاً اضافہ نسل مطلوب ھے بلکہ شادی کرنے کا مقصد اولین بھی یہی ھے نیز ان کے نزدیک عزل کی مثال ایسی ھے کہ ایک وادی سے پانی کو روک دیا جائے جبکہ طبعی طور پر وھاں پانی کی ضرورت ھو ۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے روئیدگی اور پھولوں کی پیداوار ھوسکے اور لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں اور دنیا کی آبادی اور خوش حالی میں اضافہ ھو ۔

اسقاط حمل کا حکم

جس طرح اھل علم نے عزل کے ساتھ ضبط ولادت کے حکم پر بحث فرمائی ھے اسی طرح انہوں نے اسقاط حمل کے موضوع پر بھی بحث کی ھے ۔ اس امر پر تو تمام علماء کا اتفاق ھے کہ بچے میں روح پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل حرام ھے ۔ کسی مسلمان کے لئے اس کا ارتکاب جائز نہیں ۔ کیونکہ یہ ایک جاندار اور ذی روح کو قتل کردینے کے مرادف ھے اسی لئے اگر اسقاط کی صورت میں بچہ زندہ نکلے تو اس کی وجہ سے دیت (خون بہا) لازم آتی ھے ۔ اور اگر مردہ نکلے تو شریعت نے ایک غلام آزاد کرنا (بطور کفارہ کے) لازم قرار دیا ھے لیکن اس صورت میں کہ بچے کی عضویت مکمل ھوجائے (لیکن ابھی روح نہ پڑی ھو) تو اس کے اسقاط کے جائز اور حرام ھونے میں اختلاف ھے ایک فریق کا

(۱) ابن حبان رح کا نام ابو حاتم محمد بن حبان بستی ھے ۔ یہ مشہور امام اور محدث گذرے ھیں ۔ صحیح ابن حبان ان ھی کی تصنیف ھے ۔ نیز آپ اور بھی کئی مفید کتابوں کے مولف ھیں ۔ انہوں نے ۳۵۴ ھ میں وفات پائی ۔

(۲) ابن حزم فخر اندلس اور پانچویں صدی ھجری کے مجدد ھیں ۔ انہوں نے ۴۵۶ھ میں وفات پائی ۔

یہ خیال ہے کہ ایسی صورت میں اسقاط جائز ہے - کیونکہ بچہ میں جان نہیں پڑی لہذا اس کے اسقاط سے نہ قتل کا جرم عائد ہوسکتا ہے اور نہ ہی حرمت کا فیصلہ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے - ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی زندگی آچکی ہے جو بہر حال قابل احترام ہے - یہاں زندگی سے ان کی مراد نشو و نما ، بالیدگی اور روح کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اسی گروہ میں امام غزالی بھی شامل ہیں - انہوں نے اس مسئلے سے بھی تعرض فرمایا ہے بلکہ اسقاط کی زیر بحث صورت اور عزل کے درمیان فرق بھی بتایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عزل کرنا ، زندہ بچے کو گرادینے یا زندہ دفن کردینے کے مرادف نہیں ہے - کیونکہ عزل کے برخلاف ان دونوں صورتوں میں تو ایک موجود اور حاصل شدہ چیز کو ہلاک کرنے کا جرم لازم آتا ہے - جب کہ عزل میں کسی موجود اور حاصل شدہ چیز کو ہلاک نہیں کیا جاتا - وہ لکھتے ہیں کہ مراتب وجود میں سے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ مادہ٭ حیات اپنے مقام (قرار گاہ) تک پہنچ جائے - اور انثوی بیضہ کے ساتھ اختلاط کے بعد اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے - اس میں کسی انداز سے بھی فساد انگیزی جرم ہے - اور جیسے جیسے مادہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا جائیگا ، جرم بھی اسی انداز سے شدید تر ہوتا چلا جائیگا - یہاں تک کہ وہ اپنے منتہیٰ تک پہنچ جائے اور اس میں زندگی پیدا ہوجائے - علمائے حنفیہ میں سے اس گروہ کے ہم خیال "خانیہ" کے مصنف بھی ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے اسقاط کے جواز کا قائل نہیں ہوں - کیونکہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کئے جانے والے پرندہ کے انڈے توڑدے تو اسکو تاوان دینا پڑتا ہے - کیونکہ یہ انڈے پرندوں کی اساس ہیں - کہ ان ہی سے پرندے پیدا ہوتے ہیں - شریعت جب ایسے شخص سے تاوان وصول کرکے مؤاخذہ کرسکتی ہے ، تو اسقاط کی صورت میں اس سے کم تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کم از کم گناہ تو ہوگا ہی - لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اسقاط حمل بغیر کسی معقول عذر کے کیا جائے - ابن وہبان رد فرماتے

ھیں کہ منجملہ دیگر اعذار کے ایک عذر یہ بھی ھوسکتا ھے کہ عورت اپنے بچہ کو دودھ پلارھی تھی کہ وہ حاملہ ھوگئی اور حمل ظاھر ھونے کے بعد عورت کے دودھ اترنا بند ھوجائے اور بچہ کا والد بچہ کو دایہ کے ذریعہ سے دودھ پلوانے کی استطاعت نہ رکھتا ھو اور اس طرح بچہ کی ھلاکت کا اندیشہ ھو۔ ابن وھبان رح نے "ذخیرہ" کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ھے کہ اگر کوئی عورت اس زمانہ سے پہلے جبکہ بچہ میں جان آجاتی ھے، اسقاط حمل کرنا چاھے تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ھے۔ فقیہ علی بن موسیٰ رح فرماتے ھیں کہ ایسا کرنا مکروہ ھے۔ کیونکہ رحم مادر میں نطفہ کے پہنچ جانے کے بعد اس کا لازمی نتیجہ زندگی ھے۔ اسلئے ھم نطفہ کو زندہ بچہ کے حکم ھی میں سمجھتے ھیں۔ اس کی مثال ایسی ھی ھے جیسے کوئی شخص حرم میں شکار کئے جانے والے پرندوں کے انڈے توڑ دے۔ "ظہیریہ" میں بھی اسی طرح منقول ھے۔ ابن وھبان رح فرماتے ھیں کہ لہذا اسقاط کی اجازت محض عذر کی حالت پر محمول کی جائیگی۔ یا یوں کہا جائے گا کہ اجازت کا مطلب صرف اتنا ھے کہ کم از کم عورت پر قتل کا گناہ لازم نہیں آئیگا۔
ابن وھبان رح کا ایک شعر ھے:

ویکرہ ان تسعی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث لایتصور

(عورت کیلئے اسقاط حمل کی کوشش کرنا مکروہ ھے۔ البتہ عذر کی بناء پر جائز ھے جہاں (گناہ کا) خیال نہ ھو۔)

فقہاء نطفہ میں حیات تسلیم کرتے ھیں

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ھوگئی کہ علمائے شریعت بھی اطباء کیطرح نطفہ میں حیات کے قائل ھیں۔ وہ نطفہ میں حیات کو تقدیری طور پر تسلیم کرتے، اسکی اھمیت کو مانتے، اور اس حیات تقدیری پر حیات کے آثار واحکام بھی مرتب کرتے ھیں۔ ھم نے یہی بات فقہاء کے اس فیصلہ میں بھی محسوس کی ھے جو وہ حرم میں کسی شکار کئے جانے والے پرندہ کے انڈے توڑدینے والے

شخص کے خلاف کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ انڈا ہی پرندہ کی اصل، اس کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے ۔

رہگئی وہ زندگی جو چوتھے مہینہ میں بچہ کو حاصل ہوتی ہے تو وہ حس و حرکت والی زندگی ہوتی ہے جسے قرآن کریم نے " خلقاً آخر " سے تعبیر کیا ہے ۔ اور جسے حدیث نبوی میں " نفخ روح " (جان ڈالنے) سے تعبیر فرمایا گیا ہے ۔

جو علماء کرام جان پڑجانے سے پہلے نفی حیات کے قائل ہیں تو اس سے بھی ان کی مراد حس و حرکت والی زندگی ہی کی نفی ہوتی ہے، نشو و نما والی زندگی کی نہیں- وہ حضرات بھی بیضہ ہائے رحم میں ایسی حیات کے منکر نہیں ہیں جس کا نتیجہ نشوونما اور ان دیگر مراتب حیات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جنکی طرف قرآن کریم نے انسانی پیدائش کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے ۔ غالباً فقہائے کرام نے بھی غیر موذی شکار کے انڈے توڑنے والے شخص پر تاوان کی تعیین میں اسی اصول پر اعتماد کیا ہے ۔

اولاد میں ملت کا حق اور فقہاء کی تصریحات

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور فقہاء نے اگرچہ اس مسئلہ سے کچھ زیادہ واضح دلچسپی کا تفصیلی طور پر مظاہرہ نہیں کیا کہ اولاد میں ملت کا حق کس قدر ہوتا ہے، مگر اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں ملت کے پہلو سے چشم پوشی فرمائی ہے ۔ یا انہوں نے اس بات کو نظر انداز کردیا ہے ۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس جہت سے ملت کا حق بالکلیہ محفوظ تھا ۔ اسے کوئی اندیشہ لاحق نہیں تھا ۔ جسکی بعض وجوہ ہیں ۔

اول تو یہ کہ خود اسلامی شریعت میں شادی کی ایک خاص اہمیت ہے جس پر خود دین و مذہب کی چھاپ پڑی ہوئی ہے ۔ چنانچہ شادی کرنے پر

پر آخروی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے - پھر اسی وسیلہ سے حفاظت عصمت کا وہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے جو شرعاً مقصود ہے - یہی وجہ ہے کہ مسلمان ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے دینی بنیاد پر بھی شادی کے حریص اور شائق ہوتے ہیں - اور بلا شبہ یہ مقاصد (اگر شادی نہ کی جائے) تو بعض فطری تقاضوں اور رجحانات کو جبراً دبائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے - کیونکہ پانی تو ہمیشہ نشیب ہی کی طرف بہتا ہے - اسی وجہ سے مسلمان عموماً عزل یا کسی ایسی چیز کی طرف بھی راغب نہیں ہوتے اور افزائش نسل کا سلسلہ جو اُمت کے پھلنے پھولنے اور باقی رہنے کیلئے مطلوب ہے، برابر قائم رہتا ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ نسل کشی اور افزائش نسل کی شدید خواہش انسانی طبیعت میں راسخ ہے- اس طبعی رجحان میں خلل اندازی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ بچے کم پیدا کرنے کا رجحان عام طور پر پھیل جائے یا لوگ سرے سے قطع نسل کے لئے آمادہ ہوجائیں- اگر کسی معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ مل بھی جائیں تو وہ محض چند گنے چنے لوگ ہی ہوسکتے ہیں، جن کے اپنے کچھ مخصوص رجحانات اور خاص حالات اس کے متقاضی ہونگے - لہذا ان جیسے معدودے چند لوگوں کے بارے میں اباحت کا قائل ہوجانے سے نہ پوری قوم کی تقدیر پر کوئی اثر پڑسکتا ہے اور نہ ہی اولاد میں ملت کے حق پر -

تیسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنی طاقت و کثرت کے دور میں اس نقطۂ عروج پر فائز تھی اور پورے معمورۂ زمین پر اس انداز سے پھیلی ہوئی تھی کہ ملت کی کمزوری، افراد کی قلت، اور اعصاب کے ضعف کا خیال بھی ان کے دل میں کبھی نہیں گزر سکتا تھا - اسلئے مسلمانوں نے اجتماعی انداز سے اس موضوع پر کبھی غور ہی نہیں کیا - بلکہ انھوں نے اپنی توجہ محض فرد ہی پر، یا یوں کہہ لیجئے کہ، زیادہ تر ایسے فرد ہی پر مبذول رکھی جسے اس قسم کے رجحان سے کوئی سابقہ پڑگیا یا وہ ایسے حالات کا شکار ہوگیا جن میں کثرت اولاد کے باعث اسکی غم ناآشنا زندگی مکدر ہوکر رہ گئی -

ہم پورے وثوق کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمان وسیع تر افق پر نظر ڈالتے یا یہ اندازہ کرسکتے کہ آئندہ دور میں ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جنکے دین و اخلاق میں اتنی کمزوری اور بگاڑ پیدا ہوجائیگا کہ وہ شادی کی بہ نسبت آشنائی کو، اور نکاح کے ذریعہ حفاظت عفت کی نسبت شہوت رانی کو ترجیح دینے لگیں گے۔ کچھ ان میں ایسے بھی ہونگے جو افزائش نسل سے اسلئے احتراز برتیں گے کہ اپنا سرمایہ محفوظ رکھ سکیں جس کا باکردار اور عمل آشنا لوگوں کی نظر میں کوئی وزن نہیں ہوتا ۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہونگے جو کسل مندی، کاہلی اور بیکاری کی زندگی ہی کو پسند کرینگے اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ جب کبھی انہیں استقرار حمل یا اولاد کی خبر ملیگی تو دنیا ان کی نظر میں اندھیر ہوجائیگی ۔ اور اس قسم کی خبروں سے دنیا کی اندھیاری ان کیلئے بڑھتی ہی چلی جائیگی ۔

ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس مسئلہ کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے تو وہ بالاتفاق ضبط ولادت کی حرمت کا فتویٰ دیتے ۔ مگر یہ کہ کسی شدید ضرورت کی بناء پر ہی اس کا سہارا لینا پڑتا ۔

اولاد میں ملت کا حق اور شریعت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی شریعت نے اولاد کو والدین اور ملت کے درمیان ایک مشترک حق قرار دیا ہے ۔ چنانچہ باپ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اولاد حاصل کرنے کیلئے وہ تمام وسائل و ذرائع کام میں لائے جو شرعاً جائز ہیں ۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اولاد کی بہتر سے بہتر نشو و نما، پرورش اور عمدہ تربیت کرے اور یہ سب کچھ کرکے اسے ملت کے حوالے کردے ۔ تاکہ اولاد بڑی ہوکر خود اس کیلئے اور ملت کیلئے کارآمد اثاثہ ثابت ہو۔ انصاف پسندانہ شرکت کا اصول یہی ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کا حق نہ مارے۔ اولاد اگر ایک طرف والد کی شہرت و عزت کا باعث ہے تو دوسری طرف ملت کی عمارت کی اینٹ بھی وہی ہے ۔ اور منجملہ قوت و طاقت کے دیگر ذرائع

و اسباب کے ایک بڑا ذریعہ نسل بڑھانا اور توانا بچے پیدا کرنا بھی ہے۔ اسلامی شریعت نے خود بھی طاقت و قوت، عزت و شوکت، وسعت آبادی اور غلبہ و تسلط کے اسباب فراہم کرنے نیز دنیا کی تعمیر، زندگی کے استحکام اور ارتقاء کیلئے کارگذار ھاتھوں کی کثرت کی ترغیب دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بلند مقاصد بغیر افزائش نسل کےحاصل نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ افزائش نسل ھی سے کسی امت کا بقا وابستہ ھوتا ہے۔ اسی سے اسکی طاقت میں اضافہ ھوتا ہے۔ یہی اس کے شوکت و غلبہ کا باعث بنتی ہے۔ ان باتوں کو بھی جانے دیجئے۔ شریعت نے جن چیزوں کو واجب اور لازمی قرار دیا ہے، وہ بھی افزائش نسل کے بغیر پوری نہیں ھوسکتیں۔ مثلاً نیکی کی راہ میں جہاد کرنا۔ ہر زمانہ میں حق و اصلاح کی طرف دعوت دینا۔ اور مستقلاً فوجی اعتبار سے طاقتور اور مستعد رھنا تاکہ برائی کی طاقتوں سے جنگ آزمائی کیلئے تیار رھا جاسکے۔ جسکی ترغیب قرآن کریم نے ان الفاظ سے دی ہے۔

واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم . (القرآن)

(اور جہاں تک تمہارا بس چلے تم طاقت جمع کرنے کی تیاری میں لگے رھو۔ سرحدوں پر اپنے گھوڑ سواروں کے یونٹ ہر وقت لگائے رکھو تاکہ اسی طرح تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ اور مرعوب کرسکو۔) کیا یہ تمام واجبات و فرائض افزائش نسل کے بغیر پورے کئے جا سکتے ھیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں! لہذا افزائش نسل ھمارے لئے ہر حیثیت سے ضروری ہے۔

شریعت اور افزائش نسل

اگر ان کے سوا دوسری باتیں نہ بھی ھوتیں تب بھی اتنی سی بات سمجھنے کے لئے تو مذکورہ حقائق بھی کافی سے زیادہ ھیں کہ شریعت اسلامی کے نزدیک بنیادی مقصد افزائش نسل ھی ہے اور یہ کہ والدین

کو اپنی اولاد میں اتنا ھی حق ھے کہ وہ اولاد کو پرورش کر کے ملت کی خدمت کے قابل بنا دیں کہ جو امور ان سے متعلق ھوں وہ انہیں باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔ آپ جانتے ھیں کہ شادی کرنا ایک فطری تقاضا ھے ۔ اس سے انحراف کے بارے میں کوئی مہذب آدمی سوچ بھی نہیں سکتا ۔ مگر اس کے باوجود قرآنؐ و حدیث میں اسکی جابجا ترغیب دیگئی ھے ۔ ھمیں حق تعالی کے اس ارشاد پر غور کرنا چاھیئے جو اس نے اپنے بندوں پر احسان جتاتے ھوئے فرمایا ھے

واللہ جعل لکم من انفسکم أزواجاً وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ ورزقکم من الطیبت .

اور خدا نے تمہارے لئے تمہارے ھی میں سے تمہارے جوڑے بنا دیئے اور ان جوڑں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کر دئے اور تمھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا ۔

نیز حق تعالی کا ایک دوسرا ارشاد بھی قابل توجہ ھے جو اس زندگی میں نرینہ اولاد کی اھمیت کو واضح کر دیتا ھے ۔

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا .

مال و دولت اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ھیں ۔ علاوہ ازیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر بھی غور فرمایئے جس میں آپ نے فرمایا ھے کہ ”نکاح کرو ، نسل بڑھاؤ ، کیونکہ قیامت کے روز میں ساری امتوں پر تمہاری کثرت سے فخر کروں گا “۔ نیز آپ کا ارشاد ھے ۔ ” زیادہ بچے پیدا کرنے والی سیاہ فام عورت ، ایک بانجھ خوبصورت عورت سے بہتر ھے “ ۔ نیز آپ نے فرمایا ھے کہ ” جو شخص عیالداری کے خوف سے نکاح نہ کرے وہ ھم میں سے نہیں ھے “۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ضبط ولادت کی مطلقا اباحت جیسا کہ امام غزالی کا قول ہے یا زوجین کی رضامندی کے ساتھ، جیسا کہ حنفیہ قائل ہیں ' ان دونوں صورتوں میں امت کی حق تلفی ہے۔ جس کی طرف مذکورہ بالا نصوص اشارہ کر رہی ہیں - اتنا ہی نہیں بلکہ وہ روح شریعت کے فیصلہ کے بھی خلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خصوصیت کے ساتھ ہمارے اس دور میں جبکہ مسلم اقوام کمزوری ' انتشار اور افراتفری میں مبتلا ہیں ، فکر و نظر کی میزان میں امت کے حق کو ہی اولین درجہ حاصل ہونا چاہیئے -

محض حسن و جمال اور جنسی حظ اندوزی کی حفاظت کی غرض سے ضبط تولید کی اجازت دیدینا، جیسا کہ امام غزالی رحہ کا خیال ہے، طبیعت انسانی کو اپنے فرائض کی ادائیگی اور نتیجہ خیزی سے روکدینا ہے۔ ڈاکٹر سلیمان پاشا عزمی نے اپنی ایک تقریر میں وضاحت کی ہے کہ جسمانی و روحانی حظ اندوزی کی غرض سے یا عورتوں کو ورزش اور کھیل کود کی کھلی آزادی دینے کیلئے تجدید نسل کی ضرورت کو کسی صورت میں بھی میڈیکل سائنس تسلیم نہیں کرتی اور جب طب ہی جو ہماری صحت' طاقت' قوت اور کمزوری کی نگراں اور محافظ ہے اس ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی تو اسلامی شریعت جو طب سے زیادہ مضبوط اصولوں پر قائم ہے' ان اغراض کے لئے ضبط تولید کے جواز کو کس طرح تسلیم کرسکتی ہے؟ وہ تو ضبط تولید کے عمل کو اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ روکنا چاہیگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے اپنے احکام کی بنیاد طب کے دائرہ میں یقیناً طبی تقاضوں کی مطابقت پر ہی رکھی ہے مگر اسکی نظر میں صرف طبی تقاضے ہی نہیں ہوتے - وہ اس سے بہت آگے جاتی ہے۔ وہ خاندان اور ملت کی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں جو ظاہر ہے کہ خاندان اور ملت کی اولاد در اولاد کے ذریعہ ہی سے ہوسکتا ہے، بیوی کو ایک بلند اور باعزت مقام بھی عطا کرنا چاہتی ہے۔

یہاں دو قوی وجوہ ہیں جو ضبط ولادت کی مطلق اباحت کے خلاف پیش کی جاسکتی ہیں ۔ اول تو یہ کہ اولاد میں ملت کا حق بھی ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت، ملت کی بقاء اور قومی ترقی کی حفاظت کے پیش نظر، ملت کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ افزائش نسل کا مقابلہ کرے ۔ دوسری بات یہ کہ فطری آلات کو اپنے فرائض کی ادائیگی سے جن کیلئے انھیں پیدا کیا گیا ہے روکدینا خود فطرت کا مقابلہ کرنا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے

ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقه ثم هدی ۔

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا پھر اسکو اسکی تکمیل کی راہ بھی دکھادی ۔ ایک دوسری آیت ہے :

یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء ۔

'' اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ بھی پیدا کردیا ۔ پھر ان دونوں سے بیشمار مرد اور عورتیں پھیلادیں''، تیسری جگہ ارشاد ہے :

یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ۔

اے لوگو! ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمھیں خاندانوں اور برادریوں میں تقسیم کردیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو ۔

شریعت میں ناتواں انسانوں کی کثرت پسندیدہ نہیں

طب اور طبیعت انسانی کا نقطۂ اتصال ایک تو مذکورہ بالا صورت ہے۔ دوسرا نقطۂ اتصال یہ بھی ہے کہ حصول اولاد اور اسکی افزائش کی کھلی چھٹی دیدینے سے جو مضرتیں بیوی اور ملت کو پہنچتی ہیں ان کا ازالہ دونوں کے نزدیک ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح طب ایسے استقرار کو گوراہ نہیں کرتی جس سے عورت یا بچہ کو کوئی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو اور شریعت بھی اس ضمن میں طب کی ھمنوا بنجاتی ہے۔ اسی طرح شریعت انسانوں کے ایسے ھجوم کو بھی پسند نہیں کرتی جو لاغر، ناتواں اور کمزور ہوں۔ محض تعداد میں اپنی نسبت کی بلندی اس کے ھاں کوئی وزن نہیں رکھتی اور نہ ھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کثرت پر فخر فرمائینگے۔ بلکہ اس کے برعکس شریعت ایسی کثرت کو حقارت اور ناگواری کی نظر سے دیکھتی ہے۔ '' دلائل نبوت '' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بیان ہوئے ہیں وہ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ:
'' عنقریب دنیا کی قومیں تم پر اس طرح لپکیں گی جیسے کھانے والے پیالے کی طرف لپکتے ہیں۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ کیا اسی وقت ہم اقلیت میں ہونگے؟'' آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم تعداد میں زیادہ ہوگے۔ لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے خس و خاشاک کی سی ہوگی۔ اور خدا تمہارے دشمن کے سینہ سے تمہارا رعب نکال لیگا۔ اور تمہارے دلوں میں '' وھن ڈال دیگا ''۔ اس پر کسی نے پھر سوال کیا کہ ''وھن'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ۔ ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت''۔ یہ حدیث بتلاتی ہے کہ ایسی کثرت جس میں کمزوری کے عوامل غالب ہوں، اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ جس طرح جسمانی ساخت میں ضعف کے عوامل ہوتے ہیں اسی طرح اخلاق میں بھی ضعف کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ نیز جس طرح بزدلی اور بخل

سے وھن (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) پیدا ھوتا ھے۔ اسی طرح ضعف جسمانی بھی اس کا ایک سبب ھوتا ھے۔ لہذا ایسی امت میں کوئی خیر و خوبی نہیں جس کے افراد لاغر، ناتواں اور کمزور ھوں۔ جیسا کہ ایسی قوم میں کوئی بھلائی نہیں جو شجاعت، سخاوت اور اتفاق جیسی صفات سے محروم ھو۔

(الف) شریعت ایک ھی وقت میں ملت کی نشو و نما اور اضافہ' طاقت کیلئے زیادہ اولاد پیدا کرنے کی ترغیب بھی دیتی ھے۔ اور اس کے ساتھ ھی اسی کثرت کو کمزوری اور سیلاب کے خس و خاشاک بننے سے محفوظ رھنے کا حکم بھی دیتی ھے۔ اس نے جہاں قومی ترقی اور استحکام قوت میں اضافہ کے لئے افزائشی نسل کی ترغیب دی ھے' وھیں اس کثرت کو ناتوانی' کمزوری اور جسمانی امراض سے محفوظ رکھنے کا حکم بھی دیا ھے۔ تاکہ قوم سیلاب کا جس و خاشاک نہ بن جائے۔ یہ بات ھم ان بعض احکام سے سمجھ سکتے ھیں جو اس نے عبادت کے سلسلہ میں دئیے ھیں۔ چنانچہ بیمار آدمی کو روزہ افطار کردینے کی شرعاً اسلئے اجازت ھے کہ کہیں اس کا مرض نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح مسافر کو بھی اسکی اجازت دی گئی ھے تاکہ اسکی صحت قائم رھسکے۔ احرام کی حالت میں اگر سر میں کوئی تکلیف ھوجائے تو بال کٹوادینے کی اجازت ھے۔ پانی سے وضو یا غسل کرنے میں جسم کو تکلیف پہنچتی ھو یا مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ھو تو تیمم کرلینے کی اجازت ھے۔ تلاش کرنے والے کو ایسی بیشمار جزئیات مل جائینگی جن سے پتہ چلتا ھے کہ بہت سے احکام محض صحت اور مرض کا لحاظ کرکے دئیے گئے ھیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں علاج کی ترغیب دی گئی ھے۔ خود آپ نے بھی بعض امراض کے علاج تجویز فرمائے ھیں۔ اسی طرح آپ نے متعدی اور مہلک امراض سے

بچنے کی بھی تاکید فرمائی ہے - بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہر یا گاؤں میں وبا پھیل جائے تو قرنطینہ کی پابندیاں لگادینا شرعی حکم ہے - چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ " اگر تم کسی ایسی زمین میں ہو جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں سے نہ نکلو - اور اگر تمہیں کسی مقام پر وبا پھیلنے کی اطلاع ملے تو وہاں نہ جاؤ "- (۱)

(ب) یہ تو صحت ، طاقت اور حفظان صحت سے متعلق عام باتیں تھیں - لیکن اس کے علاوہ شریعت میں ایسے قوانین بھی موجود ہیں جو زوجین کی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں - مثلاً اگر یہ معلوم ہوجائے کہ زوجین میں سے کوئی ایک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے شادی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے - یا اس مرض کے ایک دوسرے کیطرف یا اولاد کی طرف متعدی ہوجانے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں ان قوانین کی رو سے نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے- کتاب الام میں امام شافعی رحہ فرماتے ہیں کہ "علمائے طب اور اہل تجربہ کا کہنا ہے کہ جذام اور برص ان امراض میں سے ہیں" جو زوجین میں سے ایک دوسرے کی طرف متعدی ہوجاتے ہیں - رہی اولاد تو وہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہتی- اگر وہ بچ بھی جائے تو اسکی نسل میں یہ مرض پہنچ ہی جاتا ہے -

(ج) بچہ کی صحت قائم رکھنے اور اسکی قوت کو برقرار رکھنے کیلئے بھی احادیث ہیں' زمانۂ حمل کے اندر دودھ پلانے کی ممانعت آئی ہے - چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید ابن السکن رض سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلے‌اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ :

لاتقتلوا اولادکم سرًّا فان الغیل یدرك الفارس فیدعثره عن فرسه .

" چھپا چھپا کر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو - اسلئے کہ زمانۂ حمل میں دودھ پلانا شہسوار کو بھی گھوڑے سے گرادیتا ہے "- (ابو داؤد)

(۱) اس موضوع پر ابن القیم جوزی رحہ کی کتاب زادالمعاد باب طب‌الابدان صفحہ ۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات دیکھنے چاھئیں -

اغتربوا لاتضووا ۔

(عربی زبان میں وعثرالحوض کے معنی حوض کے دیواروں کو گرادینے کے آتے ھیں ۔ اسی طرح غیل زمانہٴ حمل میں دودھ پلانے کو کہتے ھیں) چنانچہ جو بچہ حاملہ عورت کا دودھ پیتا ھے اسکی قوت کمزور ھوجاتی ھے اور ضعف کا یہ اثر بڑی عمر تک باقی رھتا ھے ۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کمزور ثابت ھوتا ھے اور اسی وجہ سے اسے ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑتا ھے ۔ علمائے نے بیان کیا ھے کہ حاملہ عورت کے دودھ میں ایک مرض ھوتا ھے جو بچہ کی نشو و نما کو روک دیتا اور اسکی شگفتگی کو زائل کردیتا ھے ۔ علماء کے اس قول کی صداقت کا مشاھدہ بیشتر حالات میں ھم نے خود بھی کیا ھے ۔ ھم نے دیکھا ھے کہ جن بچوں کو بدقسمتی سے زمانہٴ حمل کا دودھ پینا پڑتا ھے وہ عموماً کمزور، مرجھائے ھوئے اور پژمردہ ھوتے ھیں ۔ ایسے بچوں کے اخلاق بھی بہت تنگ ھوتے ھیں ۔ جن بچوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑتا ھے کہ وہ ابھی دودھ ھی پی رھے تھے کہ ماں حاملہ ھوگئی تو وہ بچے عموماً ھلاکت کے قریب پہنچ جاتے ھیں ۔ ھر باپ میں یہ استطاعت بھی نہیں ھوتی کہ وہ اجرت پر کسی ایسی دایہ کا انتظام کرسکے جو حمل سے خالی ھو اور وہ بچہ کو پوری مدت تک دودھ پلاسکے ۔ اس کے متحمل تو امت میں معدودے چند دولت مند افراد ھی ھوسکتے ھیں لیکن مجموعہ پر چند افراد کا حکم تو نہیں لگایا جا سکتا ۔

اگر کسی دودھ پلانے والی دایہ کا حمل ظاھر ھو جائے تو فقہاء نے فریقین کو اس اجارہ کے معاھدہ کو فسخ کر دینے کا حق دیا ھے ۔ اور اس کی دلیل یہ دی ھے کہ حاملہ عورت کا دودھ چونکہ بچہ کو نقصان دیتا ھے نیز خود حاملہ عورت کو بھی دودھ پلانا نقصان دے سکتا ھے ۔ لھذا دایہ اور بچہ کے والد ، دونوں کو فسخ معاھدہ کا حق حاصل ھے ۔ تا کہ بچہ اور دایہ کو

کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے - فقہاء نے اس بات کی بھی تشریح کی ہے کہ اگر شیر خوار بچہ کی حفاظت اس طرح پر ممکن ہو کہ جان پڑنے سے پہلے پہلے حمل کا خون نکال دیا جائے تو یہ جائز ہے جیسا کہ اسقاط حمل کے سلسلے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے - علاوہ ازیں محرم رشتہ داروں کے ساتھ شادی کی ممانعت کی وجہ بھی فقہاء نے یہی بتائی ہے کہ ایسی شادیاں عموماً اولاد کی جسمانی اور اخلاقی کمزوری کا باعث ہوتی ہیں -

شریعت نے شادی کے لئے سمجھدار عورت کا انتخاب کرنے کی بھی تاکید کی ہے - اسلئے کہ احمق عورت کی حماقت اس کی اولاد کی طرف بھی منتقل ہوتی جاتی ہے - نیز شریعت اس بات کی بھی رہنمائی کرتی ہے کہ بیوی انتہائی قریب رشتہ داروں میں سے نہ ہو - کیونکہ اس صورت میں کمزور اور لاغر اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے - چنانچہ ایک پرانا مقولہ ہے

یعنی اجنبی اور غیر خاندان میں شادی کرو تاکہ تمہاری اولاد لاغر اور کمزور نہ ہو "نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیر خاندان کی بیویاں (اولاد کے حق میں) زیادہ شریف ثابت ہوتی ہیں" - انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے "بیوقوف عورتوں سے احتراز کرو کیونکہ ان کے بچے زیادہ ضائع ہوتے ہیں" -

جب اسلامی شریعت عام طور پر صحت کو قائم رکھنے کی ترغیب دیتی ہے - اولاد کو امراض سے بچانے کے لئے نکاح اور اجارہ کے معاهدوں تک کو فسخ کرنے کا حکم دیتی ہے - نیز بچوں کی حفاظت کی خاطر حاملہ عورتوں کا دودھ پلوانے کی ممانعت کرتی ہے-تو ان تمام احکام سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شریعت کا مقصد صحت ، طاقت اور امراض سے حفاظت کے اسباب و ذرائع میں اضافہ کرنا اور ملت کو زیادہ سے زیادہ طاقتور بنانا ہے -

شریعت طاقتور افراد پر مشتمل کثرت کا مطالبہ کرتی ہے

جب یہ صورت ہے کہ شریعت کثرت آبادی پر فخر کرتی اور زندگی میں محنتی اور کارگذار افراد کی وسعت چاہتی ہے ، تو اس کا اسلامی تقاضا یہ ہی

تو ہوگا کہ امت ' کثرت افراد پر مشتمل ہو - لہذا شریعت اسلامیہ کا مطالبہ کثرت آبادی کا ہوا ' یہ کثرت خود امت کی اپنی تشکیل میں بھی ہونی چاہئے اور اسکی تمام وحدتوں میں بھی جن سے خود امت کا وجود متشکل ہوتا ہے -

لیکن اس کے ساتھ شریعت اسلامی پر قوت کثرت کا مطابعہ کرتی ہے - تو اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسی پر قوت کثرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے -

طاقتور کثرت حاصل کرنے کی راہ

اس کے حصول کی صورت یہ ہے کہ ہم افزائش نسل کی اس طرح تنظیم کریں جس سے ملت کی قوت خوش حالی اور سرگرمی بھی باقی رہے اور اسکی کثرت اور اس کا نشو نما بھی محفوظ ہو جائے -

ان عام اصولوں کی بنیاد پر جو خود شریعت ہی کے مقرر کردہ ہیں اور جن کے تقاضوں پر چلنا اس نے لازمی قرار دیا ہے تاکہ فرد کی زندگی کی کماحقہ حفاظت اور جماعت کی زندگی کے بقاء کی ضمانت ہو سکے ' ہمارا خیال ہے کہ مطلوبہ تنظیم کچھ اس انداز سے ہونی چاہیئے -

اول :- ایک مقررہ مدت کے لئے ضبط ولادت کی پابندی - تاکہ ماں اپنے بچہ کو پوری مدت تک دودھ پلا سکے - اسلامی شریعت نے دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال مقرر کی ہے

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ۔
جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پورے مدت رضاعت تک دودھ پئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں -

اس طرح اس مدت میں استقرار حمل کو روکنے سے ، ماں کو آرام ملیگا حمل کی مشقت اور زچگی کی تکلیف سے جو طاقت زائل ہو گئی تھی وہ اسے دوبارہ حاصل ہو سکے گی - اور وہ اپنے خالص دودھ سے بچہ کی پرورش کیلئے فارغ

ھو جائیگی - اور یہ دودھ ان مضر اثرات سے پاک ھوگا جنھیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اغیل سے تعبیر فرمایا ھے - جس کے نتیجہ میں (آپ کے ارشاد کے مطابق) بڑے سے بڑا شہسوار بھی گھوڑے سے گر پڑتا ھے -

دوم :- یہ کہ اگر زوجین میں سے دونوں کو یا کسی ایک کو کوئی ایسی بیماری لاحق ھو جو آئندہ نسل تک متعدی ھو سکتی ھو تو ان کے درمیان استقرار حمل کو قطعاً روک دیا جائے ، اگر زوجین ضبط ولادت کی تدبیر پر عمل کرنے پر آمادہ نہ ھوں تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو یہ حق حاصل ھے کہ ان کے درمیان قانوناً تفریق کرا دے - تفریق کا یہ حق اس قانون کی رو سے ھے کہ حاکم پر ایسے نقصان کا سدباب کر دینا فرض ھے جو افراد یا امت کی طرف منتقل ھونے والا ھو -

بعض حضرات کا خیال ھے کہ ضبط ولادت کی بنیاد پر تنظیم نسل کے مسئلہ سے ھمارے فقہاء نے اس انداز پر تعرض نہیں فرمایا - لیکن میں آپ کو امام شمس الدین رملی شافعی کی اس تحریر کی طرف متوجہ کرنا چاھتا ھوں جو انھوں نے اپنی کتاب نہایۃ المحتاج میں لکھی ھے - دیکھئے نمبر ۲۳۰/ج ۸ - اس کتاب میں اسی انداز پر تنظیم نسل کرنے کی پوری بنیاد موجود ھے - چنانچہ مانع حمل ادویہ استعمال کرنے کے بارہ میں علماء کا اختلاف نقل فرمانے کے بعد موصوف نے لکھا ھے کہ " اس دوا کے درمیان جو استقرار حمل بالکلیہ روک دے اور اس دوا میں جو وقتی طور پر رکاوٹ ڈال دے - اگر فرق ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات مبنی بر دلیل ھوگی " -

بہرحال مذکورہ بالا دونوں تجویزیں تنظیم حمل کے لئے خصوصی طور پر ایک طرح کا علاج بھی ھیں - علاج اسلئے کہ حمل کے زمانے میں دودھ پلانے سے بچہ کمزور ھو جاتا ھے ، نیز مریض والدین سے بچے کی طرف جو امراض منتقل ھو سکتے ھیں جیسے سل اور جذام وغیرہ تو تنظیم نسل کے ذریعہ سے ان سے بھی تحفظ ممکن ھے - علاوہ ازیں عورت کے بار بار حاملہ ھونے سے جو

کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ ایک زچگی کے بعد اسے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ وہ اپنی ضائع شدہ طاقت کو بحال کر سکے اور پوری طرح آرام پا سکے - تنظیم نسل کی تدبیر سے اس کی بھی روک تھام ہوجاتی ہے -

اس کے بعد ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے - وہ یہ کہ جو لوگ ایسے وسائل نہیں رکھتے جن سے اپنی اولاد کی کما حقہ تربیت اور خبر گیری کرسکیں چنانچہ اس وجہ سے انہیں تنگی میں پڑ جانے کا خطرہ ہے - یا اولاد کے واجبات اور حقوق ادا کرنے اور ان کو پروش کرنے کے لئے انہیں زیادہ محنت مشقت اور تکان کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اعصاب پر برا اثر پڑنے کی وجہ سے خود ان کی صحت بھی جواب دے جائیگی - تو مذکورہ بالا اعذار اور اندیشوں پر اعتماد کرتے ہوئے جنکی وجہ سے اگر تنگی میں پڑنے کا خطرہ ہو تو شریعت میں بعض اوقات فرائض تک کو بھی ترک کر دینا بھی جائز ہو جاتا ہے ، کیا ایسے لوگوں کے لئے تحدید نسل اور کم اولاد پیدا کرنے کا عمل جائز ہو جائے گا ؟

ہمارا خیال ہے کہ ان حالات میں ہمیں محض '' تحدید نسل '' پر ہی بھروسہ نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ اس وقتی تدبیر کے ساتھ ایک اور ضروری چز کو بھی شامل کر لینا چاہیئے تاکہ علاج جملہ واجبات اور حالات پر حاوی ہو سکے - وہ ضروری چز یہ ہے کہ صحت مند مفلوک الحال لوگوں کی امداد کے لئے ہمیں اجتماعی اور مالی تدابیر بھی اختیار کرنی چاہیئں تاکہ ان کے ذریعہ سے ایسے بچوں کی پرورش ، تعلیم اور وظائف کا انتظام کیا جائے اور والدین کی تنگدستی اور مالی مشکلات کا بھی جو جہالت اور خرابی غذا کے باعث ان کے اعصاب کو کمزور کر ڈالتی ہیں مناسب تدارک ہو سکے - اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اولاد کی حقدار خود ملت بھی ہوتی ہے- چنانچہ اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی اس سے نفع اندوز ہو اور عام زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے اور فقہاء کا ایک بنیادی اصول ہے الغنم بالغرم (نفع تاوان کے ساتھ ہے) یعنی جس چیز سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اس کے اخراجات

بھی برداشت کرو ۔ اس لحاظ سے حکومت اور معاشرہ کی ذمہ داری بھی ہے ۔ کہ ان مشکلات کے لئے ایسے وسائل اور تدابیر اختیار کرے جو ان مقاصد کو پورا کر سکیں ۔

ہم ان وسائل کی تفصیل اور ان میں سے مناسب وسائل و تدابیر کے انتخاب کو علم الاجتماع اور اقتصادیات کے ماہرین کیلئے چھوڑتے ہیں ۔

غالباً اس انداز سے تنظیم حمل کی تجاویز پر عمل کرنے میں جو ہم نے پیش کی ہیں اس خوفناک اجتماعی دشواری کا حل موجود ہے جو امت کیلئے مستقل خطرہ اور حکومت کے لئے مستقل درد سر بنا ہوا ہے ۔ بعینہ یہی مسئلہ پاگلوں ، مجنونوں ، آفت رسید اور اپاھج لوگوں کا بھی ہے ۔ ان میں سے ہر نوع کے آدمی سڑکوں ، گلیوں ، قہوہ خانوں اور میدانوں میں آپ کو ہر طرف پھیلے ہوئے ملیں گے۔ انہوں نے اپاھج پن کو حصول منفعت بیحیائی، بے غیرتی اور ذلت و رسوائی کا ایک وسیلہ بنا لیا ہے ۔ اگر لوگوں کا دل اس کو دیکھ کر دکھ سکتا ہے اور وہ ان کی وجہ سے دردمند ہو سکتے ہیں ، تو حکومت جو سب کی نگراں ، محافظ اور راحت و آرام کی ذمہ دار ہے بدرجہٗ اولیٰ اس بات کی مستحق ہے کہ ان کے لئے درد مند ہو اور ان کی حالت سے اسے تکلیف پہنچے ۔ وہ ان کے لئے ہسپتال اور پناہ گاہیں بنوائے ۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان اداروں ، ان کے ملازمین ، خدام اور مریضوں کے تمام اخراجات کی کفیل ہو ۔ کیونکہ حکومت کو خود بھی ان لوگوں کی وجہ سے امن و امان کے قیام میں دشواریاں پیش آتی ہیں ۔ نیز ان کے بعض اوھام و خیالات ، تنگ دلی اور بد اخلاقی وغیرہ کیوجہ سے معاشرہ میں جو ایک مستقل بگاڑ پیدا ہو گیا ہے ۔ وہ خالصۃً افلاس ، تنگدستی ، مرض اور جنون کی پیداوار ہی ہوتا ہے ۔ اسکا علاج اس طرح ممکن ہو سکتا ہے ۔

غرباء کو امداد دینے میں مالداروں اور حکومت کا فرض

اگر حکومت واقعی دل سے اس دشواری کو حل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکتی ہے جو اسے قیام امن اور استحکام

مملکت کے سلسلہ میں پیش آتی ہے - اور غرباء کی مالی امداد اور ان کی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے جن اخراجات کی اسے ضرورت ہوگی وہ انہیں با آسانی مہیا بھی کرسکتی ہے - اس کے یہ اخراجات ضائع نہیں جائیں گے بلکہ اس کے بعد وہ تندرست اور توانا افراد سے زندگی کے مختلف گوشوں میں فائدہ بھی اٹھا سکتی -

امت کے مالدار اور فارغ البال عقلاء کا بھی فرض ہے کہ وہ راحت رسانی اور امن و اطمینان کے وسائل فراہم کرنے میں مستعدی کے ساتھ حکومت کا ہاتھ بٹائیں - اس سے خود ان کی زندگیاں بھی محفوظ و مامون ہو سکیں‌گی - ان کی عزت میں اضافہ ہوگا اور مرتبہ بھی بلند ہوگا - یہ تدابیر ہر اس قوم اور امت کے لئے ضروری ہیں جو پر قوت اور پر سکون زندگی بسر کرنا چاہتی ہو -

غرباء کی تحدید نسل کا نقصان

رہا افراد کا فقرو فاقہ اور تنگدستی کے خوف سے کم اولاد پیدا کرنے کا تصور تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قوم کو قوت کے ایک ایسے سرچشمے سے محروم کردیا جائے جس کو حاصل کرکے اس سے خدمت لینا ، اور فائدہ اٹھانا اور جس پر ان تمام امور میں اعتماد کرنا ممکن تھا جو قوم کے لئے فائدہ رساں ہوتے اسے طاقتور اور پر عظمت بناتے اور مدت ہائے دراز تک ان کی افزائش آبادی اور سربلندی کا باعث بنتے - ۔

غرباء کو بیکار چھوڑنے کا نقصان

مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ غریب اور مفلوک الحال لوگوں کو ان کے اپنے حال پر بھی نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ کثرت سے بچے پیدا کرتے چلے جائیں کہ ان کی ضروریات دن بہ دن بڑھتی چلی جائیں جس کے نتیجہ میں وہ خاندان سمیت تنگی میں گرفتار ہوں - اور اپنی بد نصیب زندگی کا ساتھ نہ

دے سکیں۔ نتیجۃً ان کی صحت خراب ہو جائے۔ اخلاق تباہ ہو جائیں - بالآخر اس ناخوشگوار زندگی سے تنگ آ کر بد امنی پیدا کرنے ، (چوری کرنے ڈاکہ ڈالنے جیبیں کترنے) اور بعض اوقات بیوی بچوں کو ہلاک کر دینے میں اپنی نجات سمجھ بیٹھیں ۔ بلکہ نوبت خودکشی اور قتل اولاد یا قتل و غارت گری تک پہنچ جائے - یہ انجام ظاہر ہے کہ تحدید نسل کے انجام سے بھی بدتر ہے کہ جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے - یہ دونوں انجام ان بدترین نتائج میں سے ہیں جن سے قومیں اپنی زندگی اور شوکت کے دور میں دو چار ہوتی ہیں ۔

ایک فقیر اور مفلوک الحال آدمی نہ اس مجرمانہ نتیجہ کا تنہا ذمہ دار ہوتا ہے نہ اس جرم کا ۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ان جرائم کی ذمہ داری پوری ملت پر عائد ہوتی ہے ۔ اور خصوصیت کے ساتھ پوری امت سے بھی مجرم مالدار لوگوں کا طبقہ ہے ۔ لیکن سب سے بڑی مجرم خود حکومت ہوتی ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے مالدار لوگوں پر غرباء کی امداد و اعانت کو فرض قرار دیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ اس مال میں سے جو خدانے انہیں دیا ہے اور جس میں اس نے تصرف کرنے کا حق عطافرمایا ہے ۔ غرباء کی حالت کو سنوارنے اور درست کرنے کے لئے بھی خرچ کریں نیز حکومت پر بھی یہ فریضہ عائدکیا ہے کہ وہ پوری امت کی نگہداشت پورے طور پر کرے۔ اور فلاح و بہبود کے جملہ ذرائع اس کے لئے فراہم کرے - جب اصلاح میں کوتاہی ہو اور نگہداشت پورے طور پر نہ ہورہی ہو تو پھر جوابدہی پوری قوم پر عائد ہوتی ہے فقراءؔ کے تمام جرائم کا گناہ اور امت کو ان قوتوں سے محروم کرنے کا گناہ بھی جن کو حاصل کر لینا ممکن تھا پوری قوم کے دوش پر آجائے گا ۔

غرباء کے حالات سے متعلق شرعاً حکومت کی ذمہ داری

شرعی فرائض کی انجام دہی سے کوتاہی کی جواب دہی کا اصول بھی خود شریعت ہی نے مقرر کردیا ہے یہ جواب دہی جس طرح معین افراد پر

عائد ہوتی ہے اس طرح ملت کی ہیئت اجتماعیہ پر بھی عائد ہوتی ہے جو اس طاقت کی اصل نمائندہ ہوتی ہے جسے امت کی محافظ اس کے حالات و کوائف کی نگران اور اس کے مصالح کا ذمہ دار ٹھرایا گیا ہے - خدا نے افراد میں ایک دوسرے کے درمیان اور امت اور افراد کے درمیان جو باھمی ذمہ داری کا رشتہ مقرر کردیا ہے اس کی رو سے اگر فرد کو اپنے ارتکاب جرم کا جوابدہ قرار دیا گیا ہے تو ساتھ ھی دوسرے لوگ بھی اس سے بالکل بری نہیں ھیں کیونکہ مجرم اگر جرم کرتا ہے تو دوسرے لوگوں کی کوتاھی اور غفلت شعاری کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے کہ انہوں نے ان حالات کو کیوں پیدا ہونے دیا کہ مجرم ارتکاب جرم پر مجبور ھوگیا - لہذا جواب دھی سب پر عائد ہوگی اور پوری ملت کی نمائندہ ان کی ہیئت اجتماعیہ یا ہیئت حاکمیہ ہوتی ہے لہذا وہ سب سے زیادہ جوابدہ ہوگی - قوموں کی حیات و ارتقاء کے سلسلہ میں اسلام اسی شرعی نقطہ نظر کا قائل ہے -

محمود شلتوت